مکرم مرزا خلیل احمد قمر صاحب

65ء کی جنگ میں بہادری کی لازوال داستان

1965ء کی جنگ پاکستان کی یادگار جنگ ہے جس میں کم تعداد اور ساز وسامان کی کمی کے باوجود ہندوستان کو کامیابی سے ہمکنار نہ ہونے دیا۔ 65ء کی جنگ کا پہلا مرحلہ کشمیر کے محاذ پر حملہ کر کے چھمب جوڑیاں پر قبضہ کے بعد اکھنور کے پل کو اڑا دینا تھا۔ تا کہ بھارت کے کشمیر کے ساتھ واحد رابطہ کو ختم کر دیا جائے چھمب جوڑیاں محاذ پر جنرل آفیسر کمانڈ نگ 12 ڈویژن جنرل اختر حسین ملک کمانڈ کر رہے تھے۔ جنرل ملک نے بڑی جرأت بہادری اور تیز رفتاری سے چھمب جوڑیاں پر قبضہ کرلیا بھارتی فوجی حملہ کی تاب نہ لاتے ہوئے بہت سا اسلحہ اور سازوسامان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ جس پر پاکستانی فوج نے قبضہ کرلیا۔ دشمن کو 48 گھنٹے تک پیچھے مڑ کر دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس دوران ایک اور کھیل کھیلا گیا جنرل ملک کو کمان سے ہٹا کر جنرل یحییٰ خاں کو لایا گیا۔ ان کے بارے میں عوام جانتے ہیں جنرل ملک کا اکھنور پر قبضہ کا خواب ادھورا رہ گیا۔ اور جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔

چونڈہ کے محاذ پر بریگیڈیئر عبد العلی ملک نے چونڈہ کو بھارتی ٹینکوں کا قبرستان بنادیا۔ جنگ کے فوراً بعد صدر پاکستان فیلڈ مارشل جنرل محمد ایوب خاں نے محاذ کے اگلے مورچوں پر دونوں بھائیوں کو بہادری کا دوسرا بڑا اعزاز ہلال جرأت سے نوازا۔ جنرل محمد ایوب خاں نے محاذ جنگ کے بارے میں بیان کرتے ہوئے کہا دشمن نے پورے سازوسامان کے ساتھ چونڈہ پر حملہ کردیا۔ But There was Ali وہاں علی تھا۔ دشمن کا سارا فخر وغرور خاک میں ملا کر رکھ دیا اور چونڈہ کا محاذ بھارتی ٹینکوں کا قبرستان ثابت ہوا۔

جب تک پاکستان قائم ہے۔ ان دونوں بھائیوں کے کارنامے پاکستان کی تاریخ کا سنہری جھومر بن کر چمکتے رہیں گے۔ رسائل اور اخبارات سے چند اقتباسات قارئین الفضل کیلئے پیش ہیں۔

جنرل اختر حسین ملک کا کارنامہ

میجر جنرل (ر) تجمل حسین ملک نے جنرل اختر ملک کی لازوال جرأت بہادری اور منصوبہ بندی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا۔

یکم ستمبر 1965ء کو جنرل اختر حسین ملک نے اکھنور کی جلد از جلد تسخیر کیلئے چھمب جوڑیاں پر ہلہ بول دیا۔ چشم زدن میں دشمن کا سب سے اہم سپلائی روٹ کاٹ دیا گیا۔ سینکڑوں توپوں کے فائر تلے، بکتر بند دستوں کی قیادت میں کئی انفینٹری یونٹیں دشمن کی پوزیشنوں پر اسی انداز اور جذبہ کے ساتھ حملہ آور ہوئیں جیسے دوسری جنگ عظیم کے ابتدائی مراحل میں نازی فوجیں یورپ میں داخل ہوئی تھیں۔ یہ حملہ اتنا اچانک اور شدید تھا کہ بھارتیوں کے ہوش اڑ گئے۔ وہ مکمل سراسیمگی کے عالم میں سر پر پاؤں رکھ کے بھاگے اور چھمب جوڑیاں پر ہمارا قبضہ ہوگیا۔

عین اس مرحلہ پر جب ساری کارروائی پلان کے عین مطابق انجام پا رہی تھی، پاک آرمی کے کمانڈر انچیف جنرل محمد موسیٰ خان نے جنرل اختر حسین کو کمان سے سبکدوش کر کے جنرل یحییٰ خاں کو کشمیر آپریشن کا انچارج بنا دیا۔ اس فیصلے سے بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔ اوپر سے نیچے تک پوری کمان بدنظمی کا شکار ہوگئی۔ آپریشن کی رفتار سست پڑ گئی۔ یوں دشمن کو سنبھلنے اور اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کا موقع مل گیا۔ اور ہم اپنا مطلوبہ مقصد (اکھنور کی فتح) حاصل نہ کر سکے۔ (اردو ڈائجسٹ ستمبر 2014ء صفحہ 77)

چھمب جوڑیاں کی فتح کے بعد اکھنور پر کیوں قبضہ نہ ہوسکا۔ میجر جنرل نصیر اختر بیان کرتے ہیں۔

جنرل (ر) نصیر اختر سابق کور کمانڈر کراچی نے 1965ء کے اوائل میں سندھ میں رن آف کچھ کی جنگ کے آغاز سے لے کر بھارت کے ساتھ محاذ آرائی کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے آپریشن جبرالٹر اور آپریشن گرینڈ سلام کا ذکر کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ دفتر خارجہ کی طرف سے سیکرٹری خارجہ اور وزیر خارجہ نے صدر ایوب خان اور کمانڈر انچیف جنرل موسی کو یقین دہانی کروائی تھی کہ مقبوضہ کشمیر میں سیز فائر کے آر پار جھڑپوں کی صورت میں بھارتی فوج پاکستان کی انٹرنیشنل سرحد یعنی لاہور سیالکوٹ کی سرحدوں پر پاکستان کے خلاف کوئی جوابی کارروائی یا حملہ نہیں کرے گی۔ چنانچہ چھمب جوڑیاں کے محاذ پر جنرل آفیسر کمانڈنگ 12 ڈویژن جنرل اختر حسین ملک کے فارورڈ نمبر 10 بریگیڈ کے کمانڈر بریگیڈیئر حیات کی اکھنور کی طرف بروقت پیش قدمی کی دو وجہ سے تاخیر ایک ملین ڈالر سوال ہے جس کا ابھی تک کوئی تسلی بخش جواب مہیا نہیں کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ عین اس نازک موقع پر جنرل اختر حسین ملک اور اس کے 12 نمبر ڈویژن کو اکھنور پر حملہ کی تیاری کے باوجود اب ایریا کی کمانڈ سے فارغ کر کے 7 نمبر ڈویژن اور اس کے کمانڈر جنرل محمد یحییٰ خان کو اس نازک علاقہ کی کمانڈ سپرد کر دی گئی۔ بھارتی فوج نے دفتر خارجہ پاکستان کی یقین دہانیوں کے باوجود سیالکوٹ اور لاہور کے محاذوں پر 5 اور 6 ستمبر کی درمیانی شب بھرپور حملہ کر دیا اور اس طرح اکھنور کے خلاف پاک فوج کی پیش قدمی چھمب جوڑیاں تک ہی محدود رہ کر اکھنور پر پاکستان کا قبضہ دھرا کا دھرا ایک خواب بن کر رہ گیا۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور 12 ستمبر 2014ء)

بھارتی ٹینکوں کا قبرستان

ذیشان انصاری ڈسکوی نے جنگ عظیم دوم کے بعد ٹینکوں کی دوسری بڑی جنگ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا۔

6 ستمبر سے 22 ستمبر 1965ء تک ہونے والی اس سترہ روزہ جنگ میں بھارتی فوج نے لاہور کے بعد 8 ستمبر 1965ء کو سیالکوٹ کے محاذ پر حملہ کر دیا تا کہ وہ سیالکوٹ پر قبضہ کے بعد وزیر آباد پر قبضہ کر کے جی ٹی روڈ کا لاہور سے راستہ ختم کر سکے۔ 8 ستمبر کی رات کو بھارتی توپ خانہ نے گولہ باری شروع کی اور کچھ سرحدی علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد قصبہ چونڈہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ جس پر پاکستان ائیر فورس نے بڑھتے ہوئی بھارتی ٹینکوں پر بمباری کی تاہم اس کا کوئی بڑا نقصان نہ ہوا۔ بھارتی بکتر بند دستے جس میں شرمن اور سنچورین ٹینک شامل تھے دھوکہ دینے کیلئے پاکستانی پرچم لگا کر 11 ستمبر کو پھلورہ کے علاقہ میں داخل ہوئے اور وہاں قبضہ کرلیا۔ بھارتی فوج قصبہ چونڈہ کی طرف پیش قدمی کرتے رہے تا کہ چونڈہ کے ریلوے سٹیشن پر قبضہ کر کے نارووال، پسرور اور سیالکوٹ کے درمیان ریلوے رابطہ منقطع کر دیا جائے۔ جنگ ستمبر کی ایک رات دو بجکر 4 منٹ پر بھارتی جنگی طیاروں نے چوک شہیداں سیالکوٹ کے قریب بمباری کی جس سے 36 شہری شہید ہو گئے۔ سیالکوٹ پر حملہ کا پاک فوج نے منہ توڑ جواب دیا.........

16 ستمبر 1965ء کو دوسری جنگ عظیم کے بعد ٹینکوں کی سب سے بڑی جنگ شروع ہوئی۔ بھارت نے تقریباً 600 ٹینکوں کے ساتھ چونڈہ کے مقام پر حملہ کیا۔ بھارتی حملہ کو پسپا کرنے کی خاطر سیالکوٹ اور چونڈہ کے غیور عوام اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرنے سے پیچھے نہ ہٹے۔ اس مٹی کے سپوتوں نے اپنے وطن کے دفاع کیلئے پاک فوج کے شانہ بشانہ لڑے تا کہ عیار دشمن جس نے چھ سو ٹینکوں سے علاقہ پر حملہ کیا ہے کو شکست دی جا سکے۔ چونڈہ کے مقام پر دوسری جنگ عظیم کے بعد دوسری بڑی ٹینکوں کی جنگ لڑی گئی۔ جوانوں نے دشمن کو روکنے، ملک کے دفاع اور جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر ...... جانوں کے نذرانے پیش کر کے دشمن کے ٹینکوں کا ناکارہ بنا دیا۔ پاک فوج کے بہادر اور سیالکوٹ و چونڈہ کے غیور لوگ ''اللہ اکبر'' کے نعرہ لگاتے دشمن پر ٹوٹ پڑے اور چونڈہ اور گردونواح کو بھارتی ٹینکوں کا قبرستان بنا دیا۔ ٹینکوں کی اس گھمسان کی جنگ میں ہر طرف مٹی کے بادل چھا گئے، بھارتیوں نے دھوکہ دینے کی خاطر اپنے ٹینکوں پر پاکستانی پرچم بھی لگا رکھے تھے۔ لیکن جب مقامی لوگوں اور پاک فوج کو مکار دشمن کی اس حرکت کا علم ہوا تو پاک فوج اور مقامی لوگوں نے دشمن روک لیا۔

ایک سابقہ فوجی سیالکوٹ پر بھارتی حملہ کو یوں تحریر کرتا ہے کہ سیالکوٹ کی جنگ ہولناک جنگ تھی جہاں ایک دو اوپی یا ایک دو جرنیل نہیں لڑے، یہ وہ جنگ تھی جہاں ایک وقت میں درجنوں اوپی جرنیل سینئر اور جونیئر افسروں اور کمانڈروں نے اپنے اپنے فرائض ادا کیے۔ دونوں اطراف سے ہزاروں فوجی لقمہ اجل اور زخمی ہوئے۔ راقم نے بعض اوقات سینکڑوں بھارتی اور پاکستانی فوجیوں کو جان دیتے اور زخمی ہوتے دیکھا۔ سی ایم ایچ سیالکوٹ ٹینکوں میں زخمی ہونے والوں کو چیخ و پکار سے دل دہل جاتے۔ جنگ میں ایسے اوقات بھی آئے کہ بارود اور لاشوں کی بو سے سانس لینا مشکل ہو جاتا، رومال کو بار بار گیلا کر کے ناک پر رکھنا پڑتا۔ یہ وہ جنگ تھی جہاں دونوں اطراف ایک وقت میں 4 سے 5 سو ٹینکوں نے حصہ لیا۔

(روزنامہ اوصاف سنڈے میگزین 7 ستمبر 2014ء صفحہ 7)

دشمن چونڈہ پر قبضہ کرنے میں بری طرح ناکام ہوا۔ اور کئی سو ٹینک چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور ہوا۔ یہ جلے ہوئے ٹینک چونڈہ کے ارد گرد نظر آتے تھے جن کو بعد میں اٹھا کر چونڈہ ریلوے سٹیشن کے قریب اکٹھا کیا۔ یہ جلے ہوئے ٹینک ایک سال تک دیکھنے والوں کو بھارت کی شکست کا ثبوت فراہم کرتے رہے۔

چونڈہ کی یادگار جنگ

لیفٹیننٹ کرنل غلام جیلانی جنگی نامہ نگار کا تجزیہ

چونڈہ کی لڑائی 1965ء کی پاک بھارت جنگ کی ایک یادگار لڑائی تصور کی جاتی ہے۔ اگر اس لڑائی میں بھارت کو کامیابی مل جاتی تو لاہور اور اسلام آباد کے درمیان کوئی ایسی قابل ذکر پاکستانی فورس موجود نہ تھی جو بھارتی یلغار کو روک سکتی......۔

1965ء کی جنگ اس اعتبار سے اہم تصور کی جاتی ہے کہ اس میں پاکستان نے کم تعداد اور کم وسائل کے باوجود بھارت کو کامیابی سے محروم کر دیا تھا۔ ساری پاکستانی قوم یک دل اور یک جان ہو کر انڈین یلغار کے سامنے ڈٹ گئی تھی اور شہادت کے بے شمار ایسے روح پرور واقعات اس جنگ کی یادگار ہیں کہ جنہیں پڑھ کر آج بھی سینوں میں خون جوش مارنے لگتا ہے۔

کسی بھی لڑائی کا تجزیہ کرنے کیلئے معرکہ کارزار کی لوکیشن طرفین کی جمعیت ہتھیاروں اور سازوسامان جنگ کی تعداد اور دونوں فریقوں کی جانب سے طریقہ ہائے جنگ (ٹیکٹیکس) کی تفصیلات بہت ضروری ہوتی ہیں۔ 1965ء کی جنگ جن محاذوں پر لڑی گئی ان میں چھمب جوڑیاں کا محاذ، سیالکوٹ کا محاذ، لاہور کا محاذ، قصور کھیم کرن کا محاذ، سیلمانکی کا محاذ اور راجستھان (جنوبی پاکستان) کا محاذ قابل ذکر ہیں۔ لیکن لاہور، سیالکوٹ اور سلیمانکی کے محاذ اہم ترین محاذوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان تینوں محاذوں پر ہی اس جنگ کی اہم ترین اور مشہور ترین لڑائیاں لڑی گئیں۔ ان میں سے کسی ایک لڑائی میں

بھی اگر پاکستان کو شکست ہو جاتی تو ہمارا جغرافیہ 1971ء کی جنگ کے بعد والے جغرافیے سے بھی بدتر ہوتا!

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سیالکوٹ کے محاذ کا ایک سرسری پس منظر بیان کر دیا جائے۔ بہت کم قارئین کو معلوم ہے کہ سیالکوٹ، لاہور کی نسبت بین الاقوامی انڈو پاک بارڈر سے قریب تر ہے۔ سیالکوٹ شہر سے بھارتی بارڈر صرف چھ میل (نو کلومیٹر) دور ہے۔ یہ سارا علاقہ نہروں اور دریاؤں سے اٹا ہوا ہے۔ اس لئے ٹینکوں کی لڑائی کے لئے ساز گار نہیں۔ اگر بھارت سیالکوٹ پر حملہ کر کے اسلام آباد کی طرف نکلنے کی کوشش کرے تو دریائے چناب اور دریائے جہلم اس کی راہ میں حائل ہوں گے۔ سیالکوٹ کے مغرب میں صرف 15 میل (22 کلومیٹر) کے فاصلے پر جی ٹی روڈ ہے جو لاہور کو اسلام آباد سے ملاتی ہے اور دوسری طرف بین الاقوامی سرحد سے پار دیکھیں تو جموں کا (بھارتی مقبوضہ کشمیر) شہر صرف 25 میل دور ہے۔ تقسیم برصغیر سے قبل جموں اور پھر وہاں سے سری نگر جانے کے لئے سیالکوٹ۔ جموں روڈ ہی سب سے زیادہ آسان اور مشہور روڈ تھی۔

بھارت نے چونڈہ کے محاذ کا انتخاب کیوں کیا

چونڈہ سیالکوٹ پر بھارت حملہ کیوں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے بارے میں مختلف مؤرخین نے مختلف آراء کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً یہ کہ اس حملے سے پہلے اس کے مقاصد خود بھارتی ہائی کمانڈ پر بھی واضح نہیں تھے (یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بھارت نے خود یہ نقطہ نظر پھیلایا ہو، تاکہ بعد میں کی جانے والی تنقید سے بچا جا سکے) دوسرا مقصد جی ٹی روڈ کو کاٹنا بیان کیا جاتا ہے اور بعضوں نے یہ مقصد لکھا ہے کہ بھارت پاکستانی فورسز کو فیلڈ میں برباد کرنا چاہتا تھا۔ ایک مشہور انگریز مؤرخ (ڈاکٹر Wright) نے مندرجہ ذیل تین مقاصد بیان کئے ہیں:۔

1۔ جموں کی طرف کئے جانے والے کسی پاکستانی حملے کو روکنا۔

2۔ لاہور محاذ پر کسی پاکستانی کمک کو آنے سے باز رکھنا۔

3۔ پاکستانی آرمر (ٹینک فورس) کو برباد کرنا۔

واہگہ (لاہور) پر حملہ تو بھارت نے 5 اور 6 ستمبر کی درمیانی شب کیا تھا لیکن سیالکوٹ پر حملہ 7 اور 8 ستمبر 1965ء کی درمیانی شب کیا گیا۔ اس کی وجوہات جنرل ہربخش سنگھ نے جو 1965ء کی جنگ میں ویسٹرن کمانڈ کے جی او سی انچیف تھے، بڑی صراحت سے بیان کی ہیں۔

برسبیل تذکرہ یہ امر قابل غور ہے کہ 1965ء کی جنگ کی تاریخ کسی بھی پاکستانی مؤرخ نے اس انداز میں نہیں لکھی جس انداز میں جنرل ہربخش سنگھ نے لکھی ہے۔ یہ کتاب (War Despatches) لانسر انٹرنیشنل نے 1991ء میں نئی دہلی سے شائع کی تھی۔ پاکستانی مؤرخین میں جنرل موسیٰ جنرل گل حسن اور بریگیڈئیر گلزار احمد کے نام نمایاں ہیں۔ لیکن یہ تمام تواریخ اس پیشہ وارانہ معیار اور بین الاقوامی انداز نگارش کی اس سطح کو نہیں چھوتیں جو جنرل ہربخش سنگھ کی کتاب کا طرۂ امتیاز ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

یکم ستمبر 1965ء کو پاکستان نے چھمب سیکٹر میں جولڑ کھڑا دینے والا حملہ کیا تھا، اس سے یہ بات عیاں ہوگئی تھی کہ اگر کریش بنیادوں پر کوئی جوابی وار نہ کیا گیا تو دشمن اکھنور پل پر قبضہ کر لے گا اور پھر وہاں سے واپسی ممکن نہیں ہو گی۔ لہٰذا لاہور اور سیالکوٹ محاذوں پر جلد از جلد حملہ کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ میں نے اپنے کمانڈ رانچیف (جنرل جے این چوہدری) سے بار بار درخواستیں کیں اور آخر کار 3 ستمبر 1965ء کو میری درخواست مان لی گئی اور مجھے جوابی وار کرنے کا گرین سگنل مل گیا۔ میری گیارہ کور (X1 کور) 6 ستمبر 1965ء کو دن نکلنے سے پہلے لاہور محاذ پر حملہ آور ہوئی ......

11 ستمبر کی صبح بھارت کی طرف سے حملے کا آغاز ہوا۔ دشمن دو محوروں (Axes) یعنی چار وا، چونڈہ، کالوئی، پگووال پر ایڈوانس کرتا حملہ آور ہوا۔ اور کالوئی۔ پگووال پر پیش قدمی کرنے والے بھارتی یلغاری گروپ کو پیچھے دھکیل دیا گیا جبکہ چونڈہ محور والا گروپ ایک سخت دست بدست لڑائی کے بعد پھلورا پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہاں 12 روز تک شدید جنگ ہوتی رہی اور اس کے بعد جنگ بندی ہو گئی۔ بھارت کو معلوم تھا کہ اس نے اگر کوئی کامیابی حاصل کرنی ہے تو چونڈہ پر قبضہ کرنا ضروری ہے اور پاکستان کو معلوم تھا کہ اگر چونڈہ دشمن کے پاس چلا گیا تو لاہور اور سیالکوٹ کے درمیان کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں کوئی پاکستانی مزاحمتی فورس موجود ہو۔ 12 ستمبر 1965ء کو پاکستان نے پھلورا کو واپس لینے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی اور اگلے روز 13 ستمبر 1965ء کو بھارت نے چونڈہ کو بازوکش کرنے کی کوشش کی اور یہاں بھی اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ پاکستان کی 19 اور 20 لانسر اور 1 ایف ایف نے بھارتی حملہ آوروں کے منہ پھیر دیئے۔ اگلے روز یعنی 14 ستمبر کو بھارت نے ایک بار پھر چونڈہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ کریڈٹ پاکستانی انٹیلی جنس کو جاتا ہے کہ اس نے حملہ آور بھارتی بٹالین گڑھ وال کو جس نے حملہ میں آگے آگے جانا تھا لوکیٹ کر لیا اور اس پر اس شدت سے گولہ باری کی کہ وہ حملے میں نہ جا سکی۔

...... یہ چونڈہ کی پہلی لڑائی شمار ہوتی ہے۔

مغربی محاذ کے کمانڈر جنرل ہربخش سنگھ کے تاثرات

اس پہلی لڑائی کا حال جو انڈین ویسٹرن کمانڈ کے کمانڈر جنرل ہربخش سنگھ نے لکھا ہے، مناسب ہو گا اگر اس کا ایک مختصر احوال بھی انہی کی زبانی بیان کر دیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

13 ستمبر 1965ء کو میرا آرمرڈ ڈویژن چونڈہ پر حملے کیلئے پر تول رہا تھا۔ فیصلہ کیا گیا کہ 43 بریگیڈ اور 99 بریگیڈ دونوں بازوؤں سے چونڈہ پر حملہ کریں جبکہ 1 آرمرڈ بریگیڈ شمال مغرب کی طرف سے حملہ آور ہو گا۔ 14 ستمبر کو حملہ شروع ہوا۔ حملے کے ابتدائی مرحلے میں ہمارے ٹینک دشمن کی ایک ٹینک شکن سکرین میں پھنس گئے۔ یہ پوزیشن ایک پیٹن رجمنٹ پر مشتمل تھی۔ شام ہونے تک یہ رجمنٹ ہمارے آرمر کا مقابلہ کرتی رہی اور پھر ریلوے لائن کو عبور کر کے پیش قدمی کر گئی۔ کالے وال وزیر والی اور الہڑ ہمارے قبضے میں آ گئے۔ ہمارا دعویٰ تھا کہ ہم نے دشمن کے 18 ٹینک برباد کر دیئے لیکن ہمارے حملے کا مومنٹم توقعات کے برعکس آہستہ تھا۔ ہمارے ٹینک وہ حالات پیدا کرنے میں ناکام رہے کہ جو چونڈہ پر کسی انفنٹری کے حملے کی راہ ہموار کرتے۔ اس لئے یہ حملہ ترک کرنا پڑا۔ ہماری فورسز کی تعداد زیادہ تھی لیکن اس کے باوجود ہم چونڈہ پر قبضہ نہ کر سکے۔ اس کے ساتھ ہی 1 آرمرڈ ڈویژن نے ایک سستی کامیابی حاصل کرنے کی کوشش میں مات کھائی اور اپنی بے شمار ناکامیوں میں ایک اور ناکامی کا اضافہ کر لیا۔

لیفٹیننٹ جنرل ہربخش سنگھ ویسٹرن آرمی کے کمانڈر تھے۔ 1 آرمرڈ ڈویژن ان کی کمانڈ ہی کا ڈویژن تھا۔ اپنے ہی ڈویژن کی کارکردگی پر ان کا متذکرہ بالا تبصرہ جہاں پاکستان کی پیشہ ورانہ برتری کا کھلا اعتراف ہے، وہاں اپنے ٹروپس کی ناکامی کا ایک مرثیہ بھی ہے!

چونڈہ پر قبضہ اور اس کا دفاع بھارت اور پاکستان دونوں کیلئے ایک چیلنج بن چکا تھا۔ بھارتی حیران تھے کہ پاکستان اپنے محدود وسائل، کم تعداد اور قلت سازو سامان کے باوجود چونڈہ میں ڈٹا ہوا ہے۔ چونڈہ کی اس دوسری لڑائی کا احوال ہم پہلے جنرل ہربخش سنگھ کے الفاظ میں بیان کریں گے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"15 اور 16 ستمبر 1965ء کے دو روز، چونڈہ پر حملے کی پلاننگ میں صرف کئے گئے۔ مجھے کور کمانڈر 1 کور نے ٹیلی فون پر یقین دلایا کہ 17 اور 18 ستمبر کی رات کو یہ حملہ کیا جائے گا۔ تاہم میں نے اس حملے سے پہلے کور ایریا کا دورہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں جب 17 ستمبر کو وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ کور اس حملے کے لئے تیار ہی نہیں۔ 6 ماؤنٹین ڈویژن کہ جس نے یہ حملہ کرنا تھا۔ 24 گھنٹے کی مزید مہلت مانگ رہا تھا۔ کور کمانڈر نے یہ مہلت اسے دے دی۔ تاہم میں نے کور کمانڈر پر زور دیا کہ اس کی تیاریاں بہت ڈھیلی ڈھالی ہیں۔ اس کے لئے مزید محنت کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد شام کو میں اپنے ہیڈ کوارٹر میں واپس آ گیا۔"

جنرل ہربخش آگے چل کر لکھتے ہیں۔

6 ماؤنٹین ڈویژن کے جنرل آفیسر کمانڈنگ نے اپنے 35 بریگیڈ اور 58 بریگیڈ کو بیک وقت لانچ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چونڈہ سیالکوٹ ریلوے لائن ان دونوں بریگیڈوں کے مابین باؤنڈری قرار پائی۔ لیکن حملے کے آغاز ہی میں دشمن نے حملہ آور ٹروپس کی پوزیشنوں پر گولہ باری شروع کر دی۔ اس طرح اس حملے کی ابتدا ہی میں رخنہ پڑ گیا۔ دشمن ڈٹا ہوا تھا......35 انفنٹری بریگیڈ کی کارکردگی قابل رحم تھی ہی 58 بریگیڈ کی کارکردگی اس سے بھی بدتر تھی۔ دشمن کی گولہ باری سے ایسی افراتفری مچی کہ ہراول ٹروپس اپنا توازن کھو بیٹھے اور اپنے ہی ٹروپس پر فائر کرنے لگے۔ 5 جاٹ رجمنٹ نے 14 راجپوت رجمنٹ کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ 4 جموں اینڈ کشمیر رائفلز کی دو کمپنیاں چونڈہ تک ضرور پہنچ گئی تھیں لیکن دشمن کے ٹینک اور انفنٹری کے مشترکہ جوابی حملے نے انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ بریگیڈ اور بٹالین لیول کا کنٹرول تمام کا تمام بکھر گیا...... اس طرح چونڈہ دوسری بار بھی ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔"

(روزنامہ پاکستان ہفت روزہ زندگی 22 تا 28 مارچ 2015ء صفحہ 9,8)

معروف جنگی نامہ نگار کرنل اکرام اللہ نے اپنے کالم قندیل میں لکھا۔

پاک فضائیہ کی جنگ کے بارے میں سابق چیف آف ائیر سٹاف ائیر مارشل (ر) ظفر چودھری نے جو 1965ء کی جنگ میں ائیر ہیڈ کوارٹر میں ڈائریکٹر ائیر آپریشن تھے انہوں نے انڈین فضائیہ کی کئی گنا عددی Superiority کے باوجود اپنی فنی اور پروفیشنل اعلیٰ کارکردگی کے باعث فضا میں اپنا قبضہ اور کنٹرول برقرار رکھتے ہوئے بھارتی فضائیہ کے دانت کھٹے کر دیئے۔ ائیر مارشل (ر) امجد حسین نے بتایا کہ جنگ کے پہلے روز 6 ستمبر کی صبح گوجرانوالہ کے محاذ پر پہلی فضائی جھڑپ میں انڈین پائلٹ ہمارے فائٹر جہازوں کے حملوں کی تاب نہ لا کر بھارتی فائٹر جہاز دم دبا کر بھاگ گئے تھے اور یہی عمل 7 ستمبر کو بھی دہرایا گیا تھا جس کے بعد لاہور سیالکوٹ کے محاذوں پر پاک فضائیہ نے مختلف ڈاگ فائٹس میں اپنی برتری قائم رکھتے ہوئے اپنے پے درپے حملوں سے ہر روز مختلف محاذوں پر بھارتی جہازوں کو تباہ کر کے دشمن کو خوفزدہ کر دیا تھا۔ ائیر مارشل (ر) انور محمود خان نے کئی مثالیں دے کر ثابت کیا کہ پاکستانی پائلٹ اور ہر سطح پر فضائیہ کے سینئر کمانڈر جس جوش و جذبہ کے ساتھ اپنے دیئے گئے ہر مشن میں کامیاب ہو کر واپس لوٹتے تھے۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور 12 ستمبر 2014ء)

شذرات ۔ ملکی اخبارات کے مفید حوالہ جات

اللہ رحم فرمائے

حامد میر صاحب اپنے کالم قلم کمان میں لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبیؐ کی امت پر رحم فرمائے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے جس امت کو دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دینے کا پیغام دیا تھا وہ امت عشق محمدؐ کی قوت سے متحد ہو کر ہر پست کو بالا کرنے کی بجائے جگہ جگہ ایک دوسرے کا خون بہا رہی ہے اور معصوموں کی لاشیں اٹھا رہی ہے۔ ہم لاکھ کہیں کہ مسجدوں، امام بارگاہوں اور تعلیمی اداروں پر حملے کرنے والے مسلمان نہیں ہو سکتے لیکن ہم کب تک اپنے آپ کو فریب دیں گے؟ پچھلے کچھ عرصے میں پاکستان کے اندر دہشت گردی کے الزام میں جن افراد کو پھانسیاں دی گئیں ان میں کوئی ایک بھی غیر مسلم نہ تھا سب مسلمان تھے۔ پاکستان کی سکیورٹی فورسز نے قبائلی علاقوں میں کارروائیوں کے دوران ہزاروں عسکریت پسندوں کو ختم کیا۔ یہ سب بھی مسلمان تھے۔

کہیں ہم نے خود ہی پاکستان کے اندر پاکستان کے دشمن پیدا کرنے کی فیکٹریاں تو نہیں لگا رکھیں؟ عجب رسوائی ہے۔ ہم جن معصوموں کی لاشیں اٹھا رہے ہیں وہ بھی پاکستانی اور جن دہشت گردوں کو پھانسیاں دے رہے ہیں وہ بھی پاکستانی اور ستم بالائے ستم یہ کہ دہشت گردوں کو محفوظ پناہ گاہیں فراہم کرنے کا الزام بھی پاکستان پر لگایا جاتا ہے۔ کہیں نہ کہیں ہماری خارجی و داخلی پالیسی میں بہت بڑا نقص موجود ہے لیکن ہم نے اس نقص کی نشاندہی اور اسے دور کرنے سے گریز کی پالیسی اختیار کر رکھی ہے کیونکہ سچ بولنے اور لکھنے والوں کو غداری کے الزامات کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ جو یہ کہہ دے کہ کافر کی شمشیر پر بھروسہ کر کے بے تیغ مومنوں سے لڑائی کی پالیسی نے پاکستان میں انتہا پسندی کو فروغ دیا وہ دہشت گردوں کا ساتھی کہلاتا ہے اور جو خودکش حملوں کو خلاف اسلام قرار دے وہ کفار کا ایجنٹ کہلاتا ہے۔ ہمارے ہاں ریاستی اور غیر ریاستی عناصر غداری اور کفر کے الزامات لگا کر دشمنوں کا کام آسان کر دیتے ہیں۔ ذہین اور قابل لوگ یا پاکستان چھوڑ دیتے ہیں یا پاکستان کے دشمنوں سے جا ملتے ہیں ......

(روزنامہ جنگ 21 جنوری 2016ء)

سب کچھ رسمی باتیں

سینئر صحافی عطاء الحق قاسمی اپنے کالم روزن دیوار میں رقمطراز ہیں۔

اس وقت میرا موضوع ہمارا وہ رویہ اور ہماری وہ سوچ ہے جو زندگی کے تقریباً تمام شعبوں میں نظر آتی ہے اور جس کے نتیجے میں ہماری حالت ان شعبوں میں دگرگوں ہوتی چلی جارہی ہے اور یہ رویہ ''کارروائی'' ڈالنے کا ہے۔ ہم ہر جگہ کارروائی ڈالتے ہیں اور تو اور مذہب بھی کارروائیوں ہی کا نشانہ بنا رہا ہے۔ ہم اپنی وضع قطع قرون اولیٰ کے مسلمانوں ایسی بنا لیتے ہیں مگر ان کے اعمال سے گریز کرتے ہیں۔ ہم جھوٹ بولتے ہیں، امانت میں خیانت کرتے ہیں، دھوکہ دہی کرتے ہیں، رشوت لیتے ہیں، ملاوٹ کرتے ہیں اور ہم پر جو معاشرتی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں ''ڈاج'' کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے صفائی کو ''طہارت'' تک محدود کر دیا ہے۔ گھروں میں بھی سفید تولیے پر تو ہمارے داغ دھبے نظر آ جائیں گے۔ رنگدار تولیہ میں گندگی تو موجود رہے گی مگر ہمیں نظر نہیں آئے گی۔ ہم حقیقت سے نظریں چرانے والے لوگ ہیں۔

ہماری یاری دوستیاں بھی رسمی نوعیت کی ہو کر رہ گئی ہیں۔ اکٹھے مل بیٹھتے ہیں، کھابے کھاتے ہیں، قہقہے لگاتے ہیں مگر ایک دوسرے کی جڑیں کاٹنے سے نہیں چوکتے۔ ایک دوست محفل سے اٹھ کر جاتا ہے تو فوراً اس کی غیبت شروع کر دی جاتی ہے۔ فارسی کا محاورہ ہے کہ دوست وہ ہوتا ہے کہ جو کسی پریشانی کا شکار اپنے دوست کی پریشانی دور کرے مگر ہمیں اپنے دوستوں کی پریشانی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ سب دوستیاں رسمی ہو کر رہ گئی ہیں۔ دوستی تو دوستی رشتہ داریوں کا معاملہ بھی اسی نوعیت کا ہے، بلکہ یہاں تو ''شریکوں'' کے ساتھ دشمنی کا معاملہ بھی در آتا ہے، ہم خواہشات کے ملبے تلے دبے ہوئے لوگ ہیں، اپنی ایک گھٹیا سی خواہش کی تکمیل کیلئے ان تمام قدروں کو پاؤں تلے روندنے لگتے ہیں جنہیں ہم بہت عزیز قرار دیتے ہیں۔ ان قدروں کے ساتھ ہمارا رویہ رسمی نوعیت ہی کا ہے۔

ہمارا سب سے بڑا رسمی تعلق پاکستان کے ساتھ ہے ہم میں سے کون ہے جو عظیم محب وطن نہیں ہے۔ ہم یوم پاکستان دھوم دھام سے مناتے ہیں مگر یہ سب رسمی ہے۔ ذرا اپنے آپ سے پوچھئے، کیا آپ ٹیکس ادا کرنے والے ہیں؟ اگر آپ نادرا میں ہیں کیا آپ نے کبھی کسی کا جعلی آئی ڈی کارڈ تو نہیں بنایا؟ اگر آپ کسٹم میں ہیں تو ملکی خزانے کو نقصان تو نہیں پہنچاتے بلکہ اس سامان کو جانے تو نہیں دیتے جو ملکی سالمیت کے لئے خطرہ ہے؟ سرحدوں پر ڈیوٹی دینے والے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی تو نہیں کرتے؟ پاکستان سے محبت جانچنے کا یہی اصول اور یہی زاویہ ہم سب پر عائد ہوتا ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگ ''پاکستان زندہ باد'' کے نعرے لگاتے ہیں اور اپنے عمل سے پاکستان کو برباد کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ محبت کی یہ قسم بھی رسمی نوعیت کی ہی ہوتی ہے!

(روزنامہ جنگ 21 جنوری 2016ء)

ماضی شاندار

جناب حافظ محمد ادریس صاحب لکھتے ہیں۔

آج امت مسلمہ کے خون سے دھرتی کا سینہ سرخ اور مظلومین کی میتوں سے قبروں بلکہ اجتماعی قبروں کا ایک جنگل وجود میں آ گیا ہے۔ یہود و ہنود اور صیہونی و صلیبی ساہوکاروں نے اپنا کاروبار خوب چمکا لیا ہے۔ اسلحہ ان کا بکتا ہے اور مسلمان کے ہاتھوں مسلمان ہی کا خون کرتا ہے۔ سودی کاروبار کے ذریعے عالم اسلام اور تیسری دنیا کو عالمی ساہوکاروں نے یرغمال بنا رکھا ہے۔ آج امت مسلمہ اپنی اصل سے کٹ گئی ہے اور سراب کے پیچھے دوڑ رہی ہے۔ قیادت کا فقدان ہے اور کرپشن کی فراوانی...... اگر چہ یہ یہودی اپنے جرائم کی وجہ سے اور تورات کے جنگی احکام کی رو سے عام معافی کے مستحق نہیں تھے مگر آنحضورؐ نے اپنی دائمی رحمت اور عفو و درگزر کی وسعت کے عین مطابق ان کی جان بخشی کی اور مدینہ سے جلاوطنی کا حکم دے دیا۔ آج ہم اسی نبی مہربان کا کلمہ پڑھتے ہیں، مگر ان کی تعلیمات سے لاتعلق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہود ہنود اور صلیبی اور صیہونی ہم پر مسلط ہیں۔ کشمیر ہو یا فلسطین ہمارے گھر کھیت کھلیان اور باغات سے دشمن ہمیں محروم کر کے غاصبانہ قبضہ کر لیتے ہیں۔ اس پستی سے نکلنے کیلئے اپنی اصل کی طرف رجوع کرنے اور تبدیلی قیادت کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔

(روزنامہ دنیا 22 مارچ 2016ء)

کوئی چیز خالص نہیں

راؤ منظر حیات اپنے کالم غلام گردش میں لکھتے ہیں۔

زبانی باتیں سنیں تو ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ مگر صرف زبانی۔ مساجد نمازیوں سے بھری پڑی ہیں۔ ماتھے پر محرابیں بڑھتی جارہی ہیں۔ رمضان کے مقدس مہینے میں لوگ رو رو کر دعائیں مانگتے ہیں۔ طاق راتیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ساری ساری رات عبادت کرتے ہیں۔ مگر عملاً معاشرہ وہیں کا وہیں جامد کھڑا ہے۔ وہی ناانصافی وہی بے ایمانی اور وہی لالچ۔ حج تزکیہ نفس کا بہترین طریقہ ہے۔ ہر طرح کی قربانی سے مزین۔ مگر اس کو بھی کاروبار بنا دیا گیا ہے۔ فائیو سٹار حج سے لے کر ٹو سٹار حج تک کوئی بھی پیکیج لے سکتے ہیں۔ کوئی ایسا شعبہ نہیں جس میں توازن ہو۔ سیاست سے لے کر تجارت تک اور فنون لطیفہ سے لے کر نظام زندگی تک۔ پہلے گمان تھا کہ قدرے بہتری ہو سکتی ہے۔ مگر اب یقین ہے کہ بہتری کے عناصر دن بدن مغلوب ہوتے جارہے ہیں۔

(روزنامہ ایکسپریس 12 ستمبر 2016ء)

اختر شیرانی

اردو کے نامور شاعر اختر شیرانی کی تاریخ پیدائش 4 مئی 1905ء ہے۔ اختر شیرانی کا اصل نام محمد داؤد خان تھا۔

اختر شیرانی نے ابتدائی تعلیم ٹونک میں حاصل کی۔ 1920ء میں لاہور آ گئے۔ جہاں آپ کے والد حافظ محمود شیرانی اسلامیہ کالج لاہور میں پروفیسر تھے۔ اختر نے لاہور میں اورینٹل کالج میں داخلہ لیا اور 1921ء میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا اور 1922ء میں ادیب فاضل کا۔ مگر والد کی خواہش اور کوشش کے باوجود مزید کوئی امتحان پاس نہ کر سکے۔ اختر شیرانی کو شعر گوئی کا شوق بچپن سے تھا۔ لاہور کے اس قیام نے اس شوق کو مزید جلا بخشی۔ پہلی نظم جوگن 1924ء میں شائع ہوئی۔ اس نظم نے اختر کو ہندوستان گیر شہرت عطا کی۔ شعر و شاعری کے علاوہ اختر شیرانی نے مختلف رسائل و جرائد میں مضامین نگاری کا بھی آغاز کیا۔ پھر مختلف رسائل کی ادارت بھی کی۔ سب سے پہلے وہ چند ماہ کے لئے ہمایوں کے مدیر رہے پھر چند ماہ انتخاب کی ادارت کی۔ 1928ء میں اختر جاری کیا۔ مگر یہ دونوں پرچے ناکامی کا شکار ہوئے۔ 1941ء میں مولانا تاجور نجیب آبادی کے پرچے شاہکار کی ادارت سنبھالی۔ مگر کچھ عرصہ بعد اس سے بھی علیحدگی اختیار کر لی۔

اختر شیرانی اردو شاعری میں پہلے شاعر ہیں جنہوں نے عورت سے براہ راست خطاب کیا۔ ان کی شاعری فلسفہ و تصوف کی بجائے حسن مجازی کے لطیف جذبات اور وجد انگیز غنائیت سے معمور ہے، وہ ایک رومانی شاعر ہیں اور ان کی تمام شاعری پر جوانی چھائی ہوئی ہے، ان کی شاعری کی روح تغزل ہے وہ اس روح تغزل اور موسیقیت کو اپنی غزلوں، نظموں اور گیتوں پر پھیلا کر اپنا ایک انفرادی رنگ قائم کرتے ہیں۔ جن میں ولولہ انگیز ترنم، رنگینی، نزاکت ادا اور جدت تراکیب نے اور بھی جان ڈال دی ہے۔

اختر شیرانی نے اپنے کلام میں بڑے حسین و دلکش موضوعات کا انتخاب کیا ہے۔ ''اعتراف'' ''ترانہ'' وغیرہ منظومات اپنے موضوعات کے اعتبار سے بالکل انوکھی نظمیں ہیں۔ پھر انہوں نے محض موضوع ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بحروں کا انتخاب بھی نئے انداز میں کر کے ان کی روانی اور دلکشی میں اضافہ کر دیا ہے اور خوبی یہ ہے کہ ان نظموں میں معنویت و مفہوم خوش آہنگی پر کہیں قربان نہیں ہونے پاتا۔ جہاں تک اسلوب بیان کا تعلق ہے۔ اختر کو نہ صرف زبان پر قدرت ہے بلکہ ان کے انتخاب الفاظ، تراکیب، تشبیہات واستعارات میں اکثر جدت و خوش آہنگی بھی پائی جاتی ہے اور واضح معنویت بھی۔ عالم جوانی ہی سے اختر شیرانی کو شراب نوشی کی لت پڑ چکی تھی۔ جس نے ان کے دل، دماغ اور دوسرے اعضاء پر بہت برا اثر ڈالا۔ جس کے باعث یہ نامور ادیب اور اعلیٰ پایہ کا شاعر صرف 43 برس کی عمر میں 9 ستمبر 1948ء کو انتقال کر گیا۔ اختر کی شاعری کے آٹھ مجموعے صبح بہار، اخترستان، لالہ طور، طیور آوارہ، شہناز، پھولوں کا گیت، نغمہ حرم اور شہرود شائع ہو چکے ہیں۔ نثری مجموعوں کے نام آئینہ خانے، جامع الحکایات دھڑکتے دل اور وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھے ہیں۔

تاریخ اشاعت احمدیت کا ایک ورق

نمبر 31

مکرم عبدالقدیر قمر صاحب

چیکوسلوا کیہ میں احمدیہ مشن کا آغاز۔ 1937ء

اس مملکت کا قیام 1918ء میں ہوا جب انہوں نے ہنگری حکومت سے آزادی حاصل کی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد (1948ء تا 1990ء) تک یہ سوویت یونین کے قبضہ میں رہا اور پھر اس کے ٹوٹنے کے بعد 1993ء میں چیکوسلوا کیہ بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ جمہوریہ چیک اور سلوا کیہ۔ پڑوسی ممالک آسٹریا، جرمنی، ہنگری، پولینڈ اور رومانیہ ہیں۔

1991ء کے سروے کے مطابق یہاں رومن کیتھولک 46% اور دہریہ 30% اور باقی دوسرے مذاہب ہیں۔

احمدیت کا پیغام

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشاد پر مکرم حاجی احمد خان ایاز صاحب 16 جنوری 1936ء کو ہنگری کے پہلے مشنری کے طور پر روانہ ہوئے اور 21 فروری 1937ء کو ہنگری کے دارالحکومت بوڈاپسٹ پہنچے۔ جہاں آپ نے دن رات ایک کر کے احمدیت کا پودا نہ صرف لگایا بلکہ پروان بھی چڑھایا۔ آپ اشاعت احمدیت کے لئے بڑے بڑے عہدیداروں کو خطوط لکھتے۔ انفرادی طور پر لوگوں سے ملتے۔ اہم کلبوں میں لیکچرز دیتے۔ آپ اشاعت احمدیت کے لئے پولینڈ بھی جاتے اور وہاں بھی اہم لوگوں سے رابطہ رکھتے۔ آپ کی کامیاب مساعی کے نتیجہ میں مقامی لوگ داخل احمدیت ہونے لگے۔ جس کی وجہ سے وہاں مخالفت کا بازار گرم ہو گیا اور پادریوں کے شور وفغاں پر مکرم حاجی ایاز خان صاحب کو گرفتار کر لیا۔ آپ نے ہمت نہ ہاری اور جیل میں جدوجہد شروع کر دی۔ آخر حکومت نے آپ کو پولینڈ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن آپ نے یہ کہہ کر پولینڈ چھوڑنے سے انکار کر دیا کہ میں جس کا نمائندہ ہوں اس کے حکم کے بغیر میں یہ سرزمین نہیں چھوڑ سکتا۔ جس پر ایک رات حکومت نے انہیں زبردستی پولیس کی گاڑی میں بٹھا کر چیکوسلوا کیہ کی سرزمین پر بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ ایک شاعر شاید اسی صورتحال کا شکار ہو کر کہتا ہے۔

کون کہتا ہے مسافر کی کوئی منزل ہے
ہم تو ہر گام پہ منزل ہی نئی بوتے ہیں

نئی منزل نیا آشیانہ۔ احمدیت کا یہ بہادر اور جری سپوت کسی نہ کسی طرح گرتا پڑتا چیکوسلوا کیہ کے دارالحکومت پراگ جا پہنچا اور جو بچا کھچا سامان آپ کے ایک چھوٹے سے ٹرنک میں ڈال کر پولینڈ حکومت نے آپ کے ساتھ پھینک دیا تھا وہ آپ نے ایک کمپنی تھامس کک اینڈ سنز (Thams Cook and Sons) کے دفتر میں چھوڑا۔ اسی دفتر کے ذریعہ مرکز احمدیت کے اس احمدی سپوت کو رقم ترسیل ہوتی تھی۔

بندہ کرے اولیاں تے رب کرے سولیاں

مکرم حاجی صاحب اپنا سامان دفتر چھوڑ کر شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے ایک ساز بجانے والے فقیر کو دیکھ کر اپنی جیب میں موجود آخری سکہ بھی اللہ تعالیٰ کے نام پر اس کو دے دیا۔ اور خالی جیب آگے بڑھ گئے۔ کئی ایک دنوں کی فاقہ مستی نے آپ کو گھیر لیا۔ شہر میں نکلتے اور کھانے پینے کی دکانیں اور ریستوران رستے میں آتے لیکن آپ خود سے کہتے کہ اے محمود کے ایاز یہ تیرے لئے نہیں ہیں۔ مرکز سے کوئی رقم نہیں پہنچ رہی تھی۔ ایک دن چلتے چلتے آپ کی نگاہ ایک ہوٹل، ہوٹل دی گرینڈ پر پڑی تو آپ کو القا ہوا کہ اس کے اندر داخل ہو جاؤ۔ آپ کا لباس اور وضع قطع ہندوستانی تھی۔ جس کی وجہ سے انہوں نے سمجھا کہ یہ کوئی ہندوستانی نواب ہے۔ سو انہوں نے دروازہ کھولا۔ آپ استقبالیہ کے پاس گئے اور کہا کہ میں یہاں ٹھہرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو ایک کمرہ دے دیا گیا۔ کمرہ میں داخل ہوتے ہی آپ نے دروازہ بند کر لیا اور سجدہ میں گر گئے اور خدا کا شکر بجا لائے کہ اس نے رہنے کے لئے نہایت پُر تکلف جگہ عطا فرمائی تھی۔ سجدے سے سر اٹھایا اور کھانے کا آرڈر دیا۔ کئی دن کے فاقے کے بعد خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ دن گزرتے گئے اور آپ کی اشاعت احمدیت کی جدوجہد جاری و ساری تھی اور رہائش اسی اعلیٰ ہوٹل میں تھی۔ ہفتہ دس دن بعد آپ تھامس کک اینڈ سنز کے پاس گئے اور انہیں کہا کہ میری کچھ رقم قادیان انڈیا سے آپ کے پاس آنی تھی جو ابھی تک نہیں آئی اس لئے آپ فی الحال مجھے بطور قرض کچھ رقم دے دیں لیکن انہوں نے رقم دینے سے اس لئے معذوری ظاہر کر دی کہ آپ کے ساتھ ہمارا اس سے پہلے کچھ لین دین نہیں ہے۔ اس لئے ہم آپ کو یہ رقم بطور قرض نہیں دے سکتے۔

تھوڑی دیر بعد آپ نے دوبارہ کوشش کی لیکن پھر انکار ہی کا منہ دیکھا۔ اسی اثناء میں ایک شخص جو قریب ہی بیٹھا ہوا تھا وہ فوراً آپ کی طرف لپکا اور پنجابی میں کہنے لگا۔ تہانوں کنے پیسے چاہی دے نیں؟ یعنی آپ کو کتنے پیسوں کی ضرورت ہے۔ مکرم ایاز خان صاحب نے ان سے مخاطب ہو کر کہا میں آپ سے بات نہیں کر رہا نہ میں نے آپ سے مانگے ہیں۔ اس پر وہ شخص خاموش ہو کر پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا۔ مکرم ایاز صاحب نے جب تیسری بار انسانیت کے ناطے سے رقم مہیا کرنے کو کہا پھر بھی اس نے انکار کر دیا جس پر وہی شخص پھر اٹھا اور تیزی سے ایاز صاحب کی طرف بڑھا اور اپنے جیب سے کچھ رقم نکال کر کہا کہ جلدی سے یہ رقم لے لیں۔ ایاز صاحب نے اس شخص کا نام پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کا نام فضل الٰہی ہے۔ اس پر مکرم ایاز صاحب نے اس کو فضل الٰہی جانا اور وہ رقم قبول کر لی۔ اسی شخص نے مکرم ایاز صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ایک غیبی طاقت مجھے مجبور کر رہی تھی کہ آپ کو فوری طور پر یہ رقم دوں اور اگر آپ یہ رقم تھوڑی دیر تک نہ لیتے تو گویا میری روح قبض ہو جاتی۔ اب میری طبیعت سے یہ بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔ اس طرح غیب سے مدد کے سامان ہوئے اور مکرم ایاز صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اس مشکل سے نکالا۔ اس کے بعد مکرم ایاز صاحب ان کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔

(مجاہد ہنگری ص 57 تا 59)

راستہ بھولنا اور پھل عطا ہونا

یہ ان دنوں کی بات ہے جبکہ ناسازی حالات کا سامنا تھا اور فاقوں پر گزر بسر ہو رہی تھی کہ 28 مارچ 1936ء کو ایک پروفیسر فائتی Ferencezaiti نے دعوت دی کہ اس کی لگائی ہوئی نمائش میں شریک ہوں۔ آپ اس میں شریک ہوئے وہاں کسی نے چائے پانی کا نہ پوچھا۔ پھر ایک جرنیل اور ممبر پارلیمنٹ Galanthaigoch کے گھر بھی گئے وہاں بھی کسی نے کھانا پانی کی طرف توجہ نہ کی۔ نمائش سے واپسی پر سخت بھوک اور پیاس کی وجہ سے راستہ بھول گئے اور اپنی رہائش کی طرف آنے کی بجائے دو میل اور دور چلے گئے لیکن راستے میں ایک عجیب احسان الٰہی ہوا۔ فرماتے ہیں۔

''میں غلطی سے بجائے واپس آنے والے رستہ کے آگے جانے والی سڑک کے راستہ پر پڑ گیا اور اس حصہ شہر میں مجھے مشرق مغرب کی طرف کا بھی پتہ نہ تھا اور بازاروں میں آنے جانے والوں سے راستہ پوچھنے کے لئے اچھی طرح زبان نہ آتی تھی۔ کوئی دو میل آگے جا کر مجھے کانسٹیبل سے معلوم ہوا کہ میں اب نو میل کے فاصلہ پر ہوں۔ پیدل چلنا ایک قدم بھی دشوار ہو رہا تھا اور ٹرام میں سوار ہونے کے لئے جیب میں کچھ نہ تھا۔ بڑے اضطرار سے میں نے افتاں و خیزاں کچھ فاصلہ طے کیا۔ آگے ایک چوکی پر ایک لڑکے اور پولیس سے راستہ پوچھنے کی کوشش میں تھا کہ میری سیاہ ٹوپی اور نرالی وضع دیکھ کر کئی راہ گزر پاس کھڑے ہو گئے۔ یونیورسٹی کے دو طالب علم بھی قریب سے گزرنے لگے تو ایک نے یہ سمجھ کر میں عرب ہوں عربی میں کہا ''السلام علیکم یا خویا'' وغیرہ وغیرہ۔ میں نے وعلیکم السلام کہہ کر عربی زبان میں اس سے گفتگو کی اور بتایا کہ میں ہندی ہوں۔ اب اس نوجوان نے انگریزی میں مجھ سے پوچھا کہ کیا تم وہ آدمی ہو جس کی فوٹو اخبار میں تھی اور یہ کہ ہنگری کو احمدی بنانا چاہتا ہے۔ جواب میں ذرا دیر لگ گئی۔ نوجوان نے کہا کہ میں خود تیری تلاش میں تھا میں بھی احمدی ہونا چاہتا ہوں۔ (مجاہد ہنگری ص 62)

دعوت ہر ہرزہ گو کچھ خدمت آساں نہیں
ہر قدم میں کوہ ماراں ہر گزر میں دشت خار

حاجی احمد خاں صاحب کا تعارف

آپ 1909ء میں حضرت مسیح موعود کے رفیق حضرت چوہدری کرم دین صاحب کے ہاں پیدا ہوئے۔ 1934ء میں لاء کالج دہلی سے قانون کی ڈگری حاصل کی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جب وقف کرنے کی تحریک فرمائی تو آپ نے بھی وقف کر دیا۔ 1935ء میں قادیان میں نیشنل لیگ کور کے سالار جیش رہے۔ 15 جنوری 1936ء کو دعوت الی اللہ کے لئے ہنگری روانہ ہوئے۔ وقف کے اس تین سالہ دور میں ہنگری، پولینڈ اور چیکوسلوا کیہ میں دعوت الی اللہ کا نہایت احسن رنگ میں کام کیا اور کئی پاک روحیں آپ کے ذریعہ احمدیت کی آغوش میں آئیں۔

احمدیت کا یہ کامیاب داعی الی اللہ 29 اپریل 2001ء کو اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گیا۔ خلد بریں میں ہمیشہ کے لئے مقیم ہوا۔ بہشتی مقبرہ میں ابدی آرام فرما رہا ہے۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

☆......☆......☆......☆